حیلہ کی شرعی حیثیت!

پروفیسر مولانا سید باچا آغا

لفظ ''حیلة'' واحد اور اس کی جمع ''حِیَل'' ہے، جیسے کہ ''عبرة'' کی جمع ''عِبَر'' ہے اور ''حکمة'' کی جمع ''حِکَم'' ہے۔ ''الحیلة'' جمع ''حِیَل''، تصرف کی قوت، ہوشیاری، دور بینی کو کہا جاتا ہے۔ ''الحیل'' جمع ''أحیال وحیول'' قوت اور ''الحیلة'' کا معنی ہے: ''القدرة علی التصرف فی الأشغال''۔(۱) ''کاموں میں تصرف کی قوت''۔

حیلہ کے جواز کے متعلق علماء احناف کا مذہب یہ ہے کہ ایسا حیلہ کرنا جس کے ذریعے سے آدمی اپنے آپ کو حرام کام یا چیز سے دور رکھے یا اس کے ذریعے سے حلال چیز تک پہنچ جائے تو ایسا کرنا نیک اور اچھا کام ہے اور اس کی اجازت ہے۔ لیکن اس کے برعکس ایسا حیلہ کرنا جس سے کسی دوسرے شخص کا حق دبایا جائے یا حق سے بے حق کیا جائے یا اس میں شبہ پیدا کیا جائے، یا ناجائز اور باطل کام یا مشتبہ چیز کو صحیح اور سچ کرنے کا ذریعہ بنایا جائے تو ایسا حیلہ کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ عالمگیری میں اس سلسلے میں یوں بیان کیا گیا ہے کہ:

''مذهب علمائنا رحمهم الله تعالیٰ أن كل حيلة يحتال بها الرجل لإبطال حق الغير أو لإدخال شبهة فيه أو لتمويه باطلٍ فهي مكروهة وكلّ حيلة يحتال بها الرجل ليتخلص بها عن حرام أو ليتوصل بها إلى حلال فهي حسنة''۔(۲)

ترجمہ: ''ہمارے علماء (امام ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحابؒ) کا مذہب یہ ہے کہ ہر حیلہ جس کو آدمی اس واسطے کرتا ہے کہ اس سے حق غیر باطل ہو جائے یا اس میں کوئی شبہ پیدا ہو جائے یا بغرض تمویہ باطل کرتا ہے تو وہ مکروہ ہے۔ اور ہر وہ حیلہ جس کو اس غرض سے کرتا ہے کہ حرام سے خلاصی ہو یا اس کے وسیلہ سے حلال تک پہنچ جائے، یعنی حلت حاصل ہو تو یہ جائز ہے''۔

اس قسم کے حیلوں کے جواز کے لیے اصل شرعی یہ فرمانِ خداوندی ہے:

''خُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ وَلَا تَحْنَثْ''۔(۳)

ترجمہ: ''اور پکڑ اپنے ہاتھ میں سینکوں کا مٹھا، پھر اس سے مار اور اپنی قسم میں جھوٹا نہ ہو''۔

مفسرین نے اس آیت کا شانِ نزول اس طرح بیان کیا ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام جن دنوں اللہ تعالیٰ کی جانب سے امتحانات میں مبتلا ہو گئے تھے، یعنی وہ جانی اور مالی سخت نقصان میں ڈال دیئے

گئے تھے'' تو ایک بار شیطان ایک طبیب کی شکل میں حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی کو ملا تھا، آپؑ کی بیوی نے طبیب سمجھ کر اُس سے علاج کی درخواست کی، اس نے کہا: اس شرط سے کہ اگر ان کو شفا ہو جائے تو یوں کہہ دینا کہ تو نے اس کو شفا دی، میں اور کچھ نذرانہ نہیں چاہتا۔ انہوں نے حضرت ایوب علیہ السلام سے ذکر کیا، انہوں نے فرمایا: بھلی مانس! وہ تو شیطان تھا، میں عہد کرتا ہوں کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھ کو شفا دیدے تو میں تجھ کو سو (۱۰۰) قمچیاں ماروں گا، پس آپ کو سخت رنج پہنچا اس سے کہ میری بیماری کی بدولت شیطان کا یہاں تک حوصلہ بڑھا کہ خاص میری بیوی سے ایسے کلمات کہلوانا چاہتا ہے جو ظاہراً موجب شرک ہیں، گو تاویل سے شرک نہ ہوں۔''(۴) بہر حال حضرت ایوب علیہ السلام نے اپنی پاک دامن اہلیہ سے اس بدگمانی کی بنا پر سو (۱۰۰) چھڑیاں مارنے کی قسم کھالی تھی، مگر حق تعالیٰ چونکہ عالم الغیب ہیں، حقیقت حال سے واقف اور ان کی اہلیہ کو بے قصور جانتے تھے، اس لیے حضرت ایوب علیہ السلام کو قسم میں جھوٹا ہونے سے بچانے اور لوگوں کے سامنے اہلیہ کی بے قصوری ثابت کرنے کے لیے حکم دیا کہ سو (۱۰۰) شاخوں والے گچھے (مثل جھاڑو) سے اپنی اہلیہ کو اس طرح سے ماریں کہ سب ان کے بدن سے لگ جائیں تو وہ قسم میں حانث نہ ہوں گے، چنانچہ اس حکم پر عمل کیا گیا، تمام مشائخ اس بات پر متفق ہیں کہ یہ حکم منسوخ نہیں ہوا ہے اور یہی صحیح مذہب ہے، جیسا کہ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

''وقال بعضهم إن الحكم كان عامًا ثم نسخ و الصحيح بقاء الحكم''۔(۵)

ترجمہ: ''اور بعضوں نے کہا ہے کہ یہ حکم عام تھا، پھر منسوخ ہوا اور صحیح یہ ہے کہ اس کا حکم باقی ہے''۔

اور اسے منسوخ کیوں کہا جائے؟ حالانکہ کتاب الحدود، باب الزنا میں ایک انتہائی کمزور شخص کو زنا کی وجہ سے سو کوڑے مارنے کے موقع پر خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی جیسا حکم فرمایا تھا، چنانچہ ارشاد ہے:

''عن سعيد بن سعد بن عبادة قال كان بين أبياتنا رجل مخدج ضعيف فلم يرع إلا وهو على أمة من إماء الدار يخبث بها فرفع شانه سعد بن عبادة إلى رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم، فقال: اجلدوه ضرب مأة سوط، قالوا: يانبي الله! هو أضعف من ذلک، لو ضربناه مأة سوط مات، قال: فخذوا له عشكالا فيه مائة شمراخ فاضربوه ضربة واحدة''۔(۶)

ترجمہ: ''حضرت سعید بن سعد بن عبادہؓ سے روایت ہے، انہوں نے بیان کیا ہے کہ ہمارے محلے میں ایک شخص فطرتاً انتہائی کمزور تھا اور اس نے ایک عورت سے زنا کرلیا تو حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس واقعے کو بیان کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے سو کوڑے مارو۔ لوگوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! وہ بہت ہی کمزور ہے، اگر ہم اس کو سو کوڑے ماریں گے تو وہ اس سے مر جائے گا۔ تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سو قمچیوں کا ایک گچھا باندھ کر ایک بار اُسے مار دو''۔

اب اگر پھر بھی کوئی شخص اس فرمان خداوندی کو کسی دلیل کے بغیر منسوخ ہونے کا قائل

ہو جائے، تب بھی ایسی حدیث اس کے جواز اور ثبوت کے لیے کافی ہے۔ بہر حال مذکورہ آیت کریمہ میں درج اس واقعہ سے متعلق چند مسائل واضح ہوئے:

پہلا مسئلہ اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص کسی کو سو (۱۰۰) قمچیاں مارنے کی قسم کھالے اور بعد میں سو قمچیاں الگ الگ مارنے کی بجائے تمام قمچیوں کا ایک گٹھا بنا کر ایک ہی مرتبہ مار دے تو اس سے قسم پوری ہو جاتی ہے، اسی لیے حضرت ایوب علیہ السلام کو ایسا کرنے کا حکم دیا گیا۔ یہی امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک ہے، لیکن جیسا کہ علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اس کے لیے دو شرطیں ضروری ہیں: ایک تو یہ کہ اس شخص کے بدن پر ہر قمچی طولاً یا عرضاً ضرور لگ جائے۔ دوسرا یہ کہ اس سے کچھ نہ کچھ تکلیف ضرور ہو، اگر اتنے ہلکے سے قمچیاں بدن کو لگائی گئیں کہ بالکل تکلیف نہ ہوئی تو قسم پوری ہی نہیں ہوگی۔ (۷) فتح القدیر میں درج ہے کہ:

’’إذا حلف ليضربنه مائة سوط فجمع مائة سوط وضربه بها مرّة لايحنث لكن بشرط أن يصيب بدنه كلّ سوط منها ، وذلك إما أن يكون بأطرافها قائمة أو بأعراضها مبسوطة والإيلام شرط فيه، أما عدمه بالكلية فلا‘‘۔ (۸)

ترجمہ: ’’اگر کسی نے قسم کھالی کہ میں اسے سو قمچیاں ماروں گا اور پھر سو ۱۰۰ قمچیوں کو جمع کر کے ایک ہی بار مارا تو وہ حانث نہیں ہوگا اس شرط کے ساتھ کہ وہ سو کے سو اس کے بدن کو لگ جائیں، یہ اس وقت ممکن ہے کہ یہ اطراف سے طولاً قائم یا عرضاً باندھے ہوئے ہوں، اس میں بدن کو تکلیف کا پہنچنا شرط ہے، اگر تکلیف کلیۃً معدوم ہو تو پھر حانث ہو جائے گا‘‘۔

دوسرا مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ کسی نامناسب یا مکروہ بات سے بچنے کے لیے کوئی شرعی حیلہ اختیار کیا جائے تو وہ جائز ہے۔ ظاہر ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کے واقعہ میں قسم کا اصلی تقاضا یہ ہے کہ آپ علیہ السلام اپنی زوجہ مطہرہ کو پوری سو (۱۰۰) قمچیاں ماریں، لیکن چونکہ ان کی زوجہ مطہرہ بے گناہ تھیں اور انہوں نے حضرت ایوب علیہ السلام کی بے مثال خدمت کی تھی، اس لیے اللہ تعالیٰ نے خود حضرت ایوب علیہ السلام کو ایک حیلہ کی تلقین فرمائی اور یہ تصریح کر دی کہ اس طرح ان کی قسم نہیں ٹوٹے گی، اس لیے یہ واقعہ حیلہ کے جواز پر دلالت کرتا ہے۔ (۹)

تیسرا مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص نامناسب، غلط یا ناجائز فعل کی قسم کھالے تو قسم منعقد ہو جاتی ہے اور اس کے توڑنے پر بھی کفارہ آتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر اس صورت میں کفارہ نہ آتا تو حضرت ایوب علیہ السلام کو یہ حیلہ تلقین نہ فرمایا جاتا۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ کسی نامناسب کام پر قسم کھالی جائے تو شرعی حکم یہ ہے کہ اسے توڑ کر کفارہ ادا کر دیا جائے (۱۰) جیسے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ:

’’إذا حلفت على يمين فرأيت غيرها خيرًا منها، فكفر عن يمينك وأت الذى هو خير‘‘۔ (۱۱)

ترجمہ: ''جو شخص ایک قسم کھالے، پھر بعد میں اس کی رائے یہ ہو کہ اس قسم کے خلاف عمل کرنا زیادہ بہتر ہے تو اسے چاہیے کہ وہ وہی کام کرے جو بہتر ہو اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کرے''۔

خلاصہ کلام یہ کہ حیلے اسی وقت جائز ہوتے ہیں جب کہ انہیں شرعی مقاصد کے ابطال کا ذریعہ نہ بنایا جائے۔ اور اگر حیلہ کا مقصد یہ ہو کہ کسی حقدار کا حق باطل کیا جائے یا کسی صریح فعل حرام کو اس کی روح برقرار رکھتے ہوئے اپنے لیے حلال کرلیا جائے تو ایسا حیلہ بالکل ناجائز ہے، مثلاً: زکوٰۃ سے بچنے کے لیے بعض لوگ یہ حیلہ کرتے ہیں کہ سال کے ختم ہونے سے ذرا پہلے اپنا مال بیوی کی ملکیت میں دے دیتے ہیں، پھر کچھ عرصہ کے بعد بیوی اُسے شوہر کی ملکیت میں دے دیتی ہے اور جب اگلا سال ختم ہونے کے قریب ہو تو پھر شوہر وہ مال بیوی کو ہبہ کردیتا ہے، اس طرح کسی پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی، لہٰذا ایسا کرنا چونکہ مقاصدِ شرعیہ کو باطل کرنے کی ایک کوشش ہے، اس لیے حرام ہے اور شاید اس کا وبال ترکِ زکوٰۃ کے وبال سے زیادہ بڑھ کر ہو۔ اس سلسلے میں علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

''**وعندی أن کل حیلة أوجبت إبطال حکمة شرعیة لاتقبل کحیلة سقوط الزکاة**''۔ (۱۲)

ترجمہ: ''اور میرے نزدیک ہر وہ حیلہ جو حکمت شرعیہ کے ابطال کا سبب بنے اُسے قبول نہیں کیا جائے گا، جیسا کہ سقوطِ زکوٰۃ کا حیلہ''۔

الحاصل حسن نیت اور صدق دل کے ساتھ حیلوں کے ذریعے اگر یہی بات مقصود ہو کہ اس طرح حرام اور گناہ کے کام سے بچنا ہے یا حلال اور ثواب کام کرنے کا یہ وسیلہ ہو، اور اس بات کا پورا یقین ہو کہ اللہ تعالیٰ ہمارے تمام کاموں اور نیتوں سے واقف اور عالم الغیب ہیں تو حیلہ کرنا جائز ہوگا اور اگر بدنیتی کے ساتھ فرائض وواجبات بھی ادا کیے جائیں تو وہ بھی عذاب میں مبتلا کرنے کے ذرائع اور ناجائز ہوں گے، مثلاً نماز جو لوگوں کو دکھانے یا لوگوں کے دلوں میں اپنے آپ کو محترم ثابت کرنے کے لیے ہو تو وہ بھی ناجائز ہوگی۔ **أعاذنا اللّٰه تعالٰی وهو المولٰی الحق المبین۔**

مراجع ومصادر

۱:......المنجد فی اللغۃ، منشورات دار المشرق، بیروت، طبعۃ الخامسۃ والعشرون، ۱۹۹۶ء، ص: ۱۶۵۔
۲:......علامہ شیخ نظام وجماعۃ من علماء الہند، الفتاوی العالمگیری، مکتبہ ماجدیہ، کوئٹہ، ۱۹۸۳ء، ج: ۶، ص: ۳۹۰۔
۳:......ص: ۳۸: ۴۴۔
۴:......مفتی محمد شفیعؒ، معارف القرآن، ادارۃ المعارف، کراچی، ج: ۷، ص: ۵۲۰۔
۵:......ابی الفضل، شہاب الدین سید محمود آلوسی، روح المعانی، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ، ج: ۲۳، ص: ۲۷۶۔
۶:......القزوینی، ابوعبداللہ محمد بن یزید بن ماجہ، سنن ابن ماجہ، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ، ص: ۱۸۵۔
۷:......بحوالہ بالا، مفتی محمد شفیعؒ، معارف القرآن، ج: ۷، ص: ۵۲۲۔
۸:......ابن ہمام، شیخ کمال الدین محمد بن عبدالواحدؒ، فتح القدیر، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ، ج: ۵، ص: ۱۸۰۔
۹:......بحوالہ بالا، مفتی محمد شفیعؒ، معارف القرآن، ج: ۷، ص: ۵۲۳۔
۱۰:......ایضاً، ج: ۷، ص: ۵۲۳۔
۱۱:......البخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، کتاب الایمان، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ، ج: ۲، ص: ۹۸۰۔
۱۲:......بحوالہ بالا، ابی الفضل، شہاب الدین سید محمود آلوسی، روح المعانی، ج: ۲۳، ص: ۲۷۷۔